وہاں اِس تعلق کو توڑ دیں اور فائدہ حاصل کر لیں، دوسروں کے ساتھ ان کا رویہ عالی ظرفی، فراخ حوصلگی اور حق شناسی کا ہوتا ہے کم ظرفی و حق فراموشی کا نہیں ہوتا۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ جو کچھ بھی ان کے پاس ہے اس کو وہ اللہ کی نعمت اور اس کی بخشش سمجھتے ہیں اپنی کسی کوشش و کاوش کا نتیجہ نہیں قرار دیتے کہ کوشش و کاوش کو بار آور بنانا بھی اللہ ہی کے قبضہ و قدرت کی بات ہے۔

(د) وہ کتابِ ہدایت پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ کتاب چاہے وہ ہو جو آپؐ پر اتاری گئی اور چاہے وہ جو آپؐ سے پہلے نبیوںؑ اور رسولوںؑ پر اتاری گئی۔ یعنی وحی و نبوت کے پورے سلسلے پر ایمان لاتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ہدایتِ الٰہی کی روشنی ہمیشہ چمکتی رہی، نبوت کا آفتاب ہمیشہ طلوع ہوتا رہا۔ کوئی دور و زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ انسان اس دنیا میں موجود رہا ہو اور نبوت و ہدایت سے محروم رہا ہو جس سے ایک طرف انسان کی تربیت ہوتی رہی اور دوسری طرف دنیا کی آبادکاری و ترقی میں اس کی کارگذاری نمایاں ہوتی رہی۔

(س) وہ آخرت کو یقینی جانتے ہیں۔ آخرت سے مراد وہ عالم ہے جو موجودہ زندگی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں وہ کسی شک و تذبذب میں مبتلا نہیں ہوتے ہیں بلکہ یقین رکھتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی جس میں ہر ایک کو اس کے اچھے بُرے کاموں کا بدلہ ملے گا۔ اس دنیا میں انسان اچھا بُرا جو کچھ کرتا ہے، اس کا تمام تر بدلہ یہاں نہیں مل پاتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قدرت کے سامنے دنیا کا انتظام چلانے کے لیے مستقل پروگرام ہے جو انسان ہی کے ہاتھوں انجام پاتا ہے ادھر جزا و سزا کا بھی مستقل قانون ہے جو انسان ہی کے اچھے بُرے کاموں کا خاصہ اور نتیجہ ہے۔ مان لیجئے کہ اگر سزا کا تمام تر قانون اسی دنیا پر نافذ کر دیا جائے تو ہر ایک کو اتنا زیادہ ملے گا کہ اس کے بعد اپنے کام کی رفتار کو جاری رکھنا اور ترقیاتی پروگرام میں حصہ لینا دشوار ہو جائے گا۔ اس سے بھی قدرت کے پروگرام میں خلل پڑنا لازمی ہے... ایسی حالت میں قدرت نے دونوں کی رعایت کرتے ہوئے یہاں دنیا کے نظام کو مقدم رکھا اور جزا و سزا کے تمام تر تقاضا کو عالمِ آخرت کے لیے مؤخر کر دیا دنیا میں بس اس حد تک سزا کا سلسلہ جاری کیا کہ انسان آزاد و بے لگام نہ ہونے پائے اور جزا کا سلسلہ بھی بس اس حد تک جاری کیا کہ ہر شخص کے حسبِ حال

اِس سے کام کی رفتار میں فرق نہ آنے پائے، یہ اس دنیا میں تمام تر جزا و سزا کے جاری نہ ہونے کا ایک پہلو ہے۔ اللہ کی نظر میں اس کے بہت سے پہلو ہیں جن تک رسائی اور ان کا احاطہ کرنا انسان کے بس سے باہر ہے۔

(   ) سورہ فاتحہ میں ہدایت کی دعا مانگی گئی تھی۔ کتاب ہدایت کے شروع ہی میں متقین کے اوصاف گنا کر بتا دیا کہ یہ ہیں وہ لوگ جو ہدایت پر ہیں جن کو فلاح دارین حاصل ہے۔

پہلے گروہ کے یہ چند اوصاف بطور نمونہ بیان ہوئے ہیں جو ان مشرکین و اہل کتاب میں دیکھے جا سکتے تھے جنہوں نے جنہوں نے سچائی کے ساتھ کتاب ہدایت قبول کی تھی۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر زمانہ کے اُن لوگوں میں دیکھے جا سکتے ہیں جنہوں نے کتاب ہدایت قبول کرنے کے بعد اللہ کے ساتھ چالاکی کا رویہ نہیں اختیار کیا۔

مرکزی انجمن خُدّامُ القرآن لاہور

کے جملہ وابستگان نوٹ فرمالیں کہ

انجمن کا سالانہ اجلاس عام

اتوار ۶ اپریل ۸۶ء کو ۵ بجے شام

قرآن اکیڈمی ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور میں منعقد ہوگا۔

المعلن: (شیخ) الطاف حسین معتمد انجمن

قسط (۲)

سیرت وسوانح

حضرت عبداللہ بن مُبارکؒ

نصرت علی اثیر

نقدِ حدیث

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ معرفت حدیث اور نقدِ حدیث میں بہت نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔ معاصرین آپ کو طبیب کہا کرتے تھے۔ آپ احادیث کو ان کے مضمون، سند اور راوی کے اعتبار سے خوب چھان پھٹک کے لیتے تھے۔ آپ کی شرطیں بڑی کڑی تھیں۔ حبیب بن واضح فرماتے ہیں: کہ "حضرت عبداللہ بن مبارک سے ایک آدمی نے پوچھا کہ علم کس سے حاصل کیا جائے میں نے انہیں فرماتے سنا کہ اس سے جس نے علم اللہ کے لیے حاصل کیا ہو اور اس کی سند میں کافی شدت ہو۔ وہ اس ثقہ سے لیتا ہو جو آگے ثقہ سے ہی روایت کرتا ہو۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ صرف ثقہ کی ثقہ سے روایت کا سلسلہ قبول ہو"[۲۶۵]

وہب بن زمعہ، فضالۃ النوسی سے روایت کرتے ہیں:

قال كنت اجالس اصحاب	فرماتے ہیں، کہ میں کوفہ میں اصحاب حدیث
الحديث بالكوفة، وكانوا	کی مجالس میں بیٹھتا تھا اور جب کبھی
اذا تشاجروا في حديث	اس حدیث میں، وہ باہم مختلف ہو جاتے
قالوا مروبنا الى هذا	اور سلسلۂ حدیث خلط ملط ہو جاتا تو
الطبيب حتى نساله يعنون	کہتے کہ چلو سب مل کر اس طبیب کے
عبد الله بن مبارك [۲۶۶]	پاس چلتے ہیں یہاں تک کہ ہم سب

ان سے جا کر پوچھتے۔ اس طبیب سے مراد عبداللہ بن مبارکؒ تھے۔

ابواسحاق طالقانی سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارکؒ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا تو آپ نے استفسار کیا کہ وہ کن سے روایت کرتا

---

۲۶۵ حافظ ذہبی: تذکرۃ الحفاظ ۱: ۱۵۴

۲۶۶ کردری: مناقب امام اعظم: ۱: ۱۷۹ دائرہ معارف نظامیہ دکن ۱۳۲۱ھ

ہے۔ میں نے کہا کہ شہاب بن خراش سے۔ فرمانے لگے وہ ثقہ ہیں۔ اور وہ کس سے؟ میں نے کہا حجاج بن دینار سے۔ فرمانے لگے وہ بھی ثقہ ہیں۔ پوچھا وہ کس سے؟ جواب دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ تو آپ کہنے لگے کہ حجاج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تو ایسا لق و دق بیابان ہے جس میں اونٹوں کی گردنیں بھی کٹ جاتی ہیں یعنی قابل غور فاصلہ ہے۔ ۲۶۶

آپ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث چار شخصوں سے کبھی نہ لکھی جائے۔ ایک وہ زیادہ غلطیاں کرنے والا جو اپنی غلطی سے رجوع نہ کرتا ہو۔ دوسرا جھوٹا۔ تیسرا اصحاب نفس پرست جو بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو۔ چوتھا وہ آدمی جو حافظ نہ ہو لیکن حدیث حافظہ کی بنیاد پر روایت کرے۔ ۲۶۷

حسن بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے عبدالسلام بن حرب کوفی کے بارے پوچھا تو آپ نے فرمایا "قد عرفته" اور آپ جس کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرتے گویا کہ اسے ہلاک یعنی رد کر دیتے تھے۔ ۲۶۸

بقیہ بن ولید آپ کے شیوخ میں سے تھے لیکن آپ کا ان کے بارے میں قول ہے کہ بقیہ زبان کا سچا ہے لیکن ہر آگے اور پیچھے والے سے یعنی ثقہ اور غیر ثقہ سے لکھ لیتا ہے۔ ۲۶۹

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری سے کہا کہ عباد بن کثیر کا حال کس کو معلوم نہیں لیکن جب وہ حدیث بیان کرتا ہے تو اسے بہتر طور پر قبول کر لیا جاتا ہے۔ آپ کیا خیال کرتے ہیں کہ اگر میں لوگوں سے کہہ دوں کہ اس سے حدیث نہ لیا کرو؟ سفیان ثوری فرمانے لگے کیوں نہیں۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ جب کبھی میں کسی ایسی مجلس میں ہوتا جس میں عباد بن کثیر کا ذکر ہوتا تو میں ان کی دینداری کی تعریف کرتا لیکن کہتا کہ ان سے حدیث قبول نہ کیا کریں۔ ۲۷۰

---

۲۶۷ ابونعیم اصبہانی: حلیۃ الاولیاء: ۸: ۱۶۹ مطبوعہ مصر ۱۳۵۷ھ

۲۶۸ کتاب الکفایہ: ۱۴۳

۲۶۹ ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۱: ۴۷۶ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ دکن ۱۳۲۵ھ

۲۷۰ صحیح مسلم، شرح نووی: ۱: ۹۶

حضرت عبد اللہ بن مبارک کسی محدّث کے بارے میں جو کسی جھوٹ کا مرتکب ہُوا ہو کذاب کے الفاظ سے تصریح کرنے سے کتراتے تھے لیکن عبد القدوس شامی کو آپ نے کذاب کہا[۲۷۲]۔

ابو اسحاق طالقانی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن مبارک سے ابراہیم خوزی کی حدیث کے بارے پوچھا تو آپ نے انکار کر دیا۔ عبد العزیز بن ابی رزمہ نے کہا اے ابو عبد الرحمٰن، حدیث بیان کرو۔ تو آپ فرمانے لگے کہ آپ مجھے ایسے گناہ کے دوبارہ کرنے کا حکم دیتے ہیں جس سے میں توبہ کر چکا ہوں۔[۲۷۳]

آپ ان لوگوں سے جو سلف کو گالیاں دیتے تھے حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔[۲۷۴]

لا تحدثوا عن عمرو بن ثابت فانہ کان یسب السلف	عمرو بن ثابت سے حدیث نہ بیان کرو۔ وہ سلف کو گالیاں دیتا ہے۔

آپ محدثین کے بارے میں ہمیشہ نیک ظن رکھتے تھے۔ لیکن اپنے اصحاب اور محدثین کے مُوقف سے اختلاف نہیں کرتے تھے۔ حسن بن دینار ابو سعید البصری کے بارے کہا کرتے تھے۔ اے اللہ میں ان کے بارے سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتا۔ لیکن میرے اصحاب چونکہ ان کے بارے توقف کرتے ہیں سو میں نے بھی توقف کر لیا ہے۔[۲۷۵]

آپ سے کسی شخص نے پوچھا کہ عادل محدّث کونسا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ محدّث جس میں پانچ چیزیں پائی جاتی ہوں۔ اوّل وہ جو جس کی ایک طبقہ گواہی دے۔ اور دوم کہ وہ شراب نہ پیئے۔ سوم اس کے دین کے اندر قیافہ شناسی جائز نہ ہو۔

---

۲۷۱ صحیح مسلم بشرح نووی : ۱ : ۹۳

۲۷۲ 〃 〃 〃 : ۱ : ۱۸

۲۷۳ ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۱ : ۱۷۹

۲۷۴ 〃 〃 : ۸ : ۹

۲۷۵ 〃 〃 : ۲ : ۲۷۵

پنجم وہ جو جھوٹ نہ بولے اور پنجم یہ کہ اُس کی عقل میں کوئی فتور نہ ہو۔ [۱۷۶]
آپ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ آدمی جو بلا سند کے روایت بیان کرتا ہے اس کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کہ بغیر سیڑھی کے کسی چوٹی پر چڑھ رہا ہو۔ [۱۷۷]
آپ تدلیس کو بہت بُرا جانتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے تدلیس کرنے سے یہ بہتر ہے کہ میں آسمان کی بلندیوں پر سے زمین پر پٹخ دیا جاؤں۔ [۱۷۸]
رجال پر اس تنقید کو بعض لوگوں نے بڑا بُرا محسوس کیا۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک صوفیاء کے گروہ نے آپ سے کہا اے ابو عبد الرحمن کیا تم لوگ صالح لوگوں کی غیبت کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہم لوگ خاموش ہو جائیں اور واضح نہ کریں تو پھر جھوٹ و افتراء کو سچائی سے کیسے علیحدہ کیا جا سکے گا۔ [۱۷۹]
حضرت عبد اللہ بن مبارک حدیث میں عمداً کذب کو جاری کرنے والے کی تکفیر کرکے واجب القتل قرار دینے کی سختی کو قبول نہیں کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے جھوٹے کی سزا یہ ہے کہ حق اس پر واضح کر دیا جائے اور جھوٹ کے بعد اگر وہ سچ کو مان بھی لے تو پھر بھی اس کی روایت کو قبول نہ کیا جائے۔ اس طرح اس کی یہ قبولیت حق اس کے لیے کوئی نفع بخش نہیں رہے گی۔ اور اس طرح اس کے عمداً کذب کی سزا مل جائے گی۔ [۱۸۰]
آپ کتابت حدیث کو بہت ضروری سمجھتے تھے۔ آپ کا قول ہے کہ اگر احادیث کو لکھا نہیں جائے گا تو ہم انہیں یاد کیسے کریں گے؟ [۱۸۱]
حضرت عبد اللہ بن مبارک نقد حدیث کے استاد مانے جاتے تھے۔ آپ کو نقد حدیث کے جملہ پہلوؤں پر درک حاصل تھا۔ احادیث کی سند میں بڑے شدید تھے۔ کسی قسم کی رو رعایت نہیں مانتے تھے چاہے وہ عبادت گزاری میں یا دیگر پبلک امور میں کتنے ہی ممتاز کیوں نہ ہوں حدیث کے اکتساب میں جہاں بھی ٹھوکر کھا جاتے حضرت عبد اللہ بن مبارک کی تنقید سے بچ نہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اعمش جیسے

---

[۱۷۶] کتاب الکفایہ فی علم الروایہ : ص ۷۹ [۱۷۷] صحیح مسلم شرح نووی پہلی جلد ص ۸۷
[۱۷۸] " " : ۳۵۶ [۱۷۹] تدریب الراوی : ۵۲۰
[۱۸۰] " " : ص ۱۱۷ [۱۸۱] تقیید العلم : ص ۱۱۲

عبادت گزار اور زاہد محدثین نے احتیاط جب ملحوظ نہ رکھی تو تدلیس حدیث کے مرتکب ہوئے۔ اور اس پر حضرت عبد اللہ بن مبارک نے کہا کہ کوفہ میں سے سب سے زیادہ خراب حدیث ابو اسحاق اور اعمش کی ہے۔ یہ سلیمان بن مہران الاعمش آپ کے اجلہ شیوخ میں تھے۔ ۲۸۲ھ

مندرجہ بالا اقوال کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن مبارک کی شخصیت بحیثیت نقادِ حدیث نکھر کر سامنے آجاتی ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ جس طرح دیگر امور میں ایک قابلِ تقلید امام اور مثالی شخصیت کے حامل تھے، اسی طرح نقدِ حدیث سے عیب جوئی اور نکتہ چینی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور اس طرح کئی بڑے بڑے زہاد و عباد کی عیب جوئی کر کے ان کی مسلّم حیثیت کو ذلیل کر دیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رح پر بعض صوفیاء نے یہی اعتراض کر دیا کہ کیا آپ لوگ صالحین کی غیبت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں خاموش رہوں۔ بھلا جب ہم لوگ ظاہر نہیں کریں گے تو حق اور باطل میں امتیاز کیسے ہو سکے گا۔ ۲۸۳ھ

حجیتِ حدیث :

حضرت عبداللہ بن مبارک کے نزدیک قرآن کریم کے بعد دوسرا بڑا ماخذ حجت حدیث نبویہ کا ذخیرہ تھا۔ ہر وہ رائے جو قرآن و حدیث کی شرح کرتی، قبول کرتے اور جو متصادم ہوتی آپ اسے ٹھکرا دیتے۔ قرآن کے علوم کی معرفت کو آپ کس حد تک ضروری قرار دیتے تھے یہ پچھلی بحث میں واضح کیا جا چکا ہے لیکن اس بحث میں ہم آپ کی اس نمایاں حیثیت کا جائزہ لیں گے کہ حدیث کو آپ کونسا مقام دیتے تھے؟ آپ نے حدیث کی تعلیم و تدریس، تنقید و تخریج اور حفظ پر اپنی عمر کھپا دی جس کی وجہ سے آپ کا شمار اصحابِ حدیث میں ہونے لگا۔ اس کے ساتھ آپ کو دیگر علوم میں بھی پوری پوری دسترس حاصل تھی۔ ۲۸۴ھ

عبدان فرماتے ہیں :

سمعت ابن المبارک یقول : میں نے عبداللہ بن مبارک کو فرماتے

۲۸۲ھ ذہبی : میزان الاعتدال : ۲ : ۲۲۴ ۲۸۳ھ تدریب الراوی : ۵۲۰

لیکن الذی تعتمدون علیہ ھذا الاثر، وخذوا من الرای ما تفسیر لکم الحدیث۔	سُنا کہ کوئی ایسی چیز ضروری ہے جس پر تم لوگ اعتماد کرو اور وہ اثر ہے۔ اور رائے میں سے وہی کچھ لو جو تمہارے لیے حدیث کی تفسیر کرے

سندی بن ابی ہارون فرماتے ہیں کہ مشائخ کی صحبت میں جاتے وقت حضرت عبد اللہ بن مبارک سے اکثر و بیشتر پوچھ لیتا کہ ہم کہاں سے استفادہ کیا کریں تو فرماتے ہیں کہ ہماری کتابوں سے (یعنی احادیث اور ان کی شرحوں سے) ۲۸۵ھ

حسن بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک نے ایک آدمی سے فرمایا:

ان ابتلیت بالقضا فعلیک بالاثر۔ ۲۸۶ھ	اگر تجھے قضا کا عہدہ دیا جائے تو احادیث و آثار کو اپنے لیے لازم کر لے۔

اسی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ معاملات کے حل کے لیے آپ احادیث کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔

عبد اللہ بن ضریس فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ سے کہا گیا کہ آپ کب تک یوں احادیث لکھتے رہیں گے۔ آپ فرمانے لگے:

لعل الکلمۃ التی انتفع بہا ما کتب بعد ۲۸۷ھ	شاید کلمہ جس سے میں استفادہ کر سکوں وہی ہو جسے بعد میں لکھا ہو۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکتساب علم حدیث کو روزمرہ کے معاملات میں انتہائی نفع بخش سمجھتے تھے اور حدیث کو راہنمائی کا سرچشمہ مانتے تھے جس سے معاملات کی گتھیاں سلجھانے اور مسائل سے نبٹنے میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح

۲۸۴ھ ابونعیم اصبہانی: حلیۃ الاولیاء: ۸: ۱۶۵؛ مطبوعہ مطبعۃ السعادہ مصر ۱۳۵۴ھ

۲۸۵ھ " " " ص ۱۶۵

۲۸۶ھ " " " ص ۱۶۶

۲۸۷ھ ابن جوزی: صفۃ الصفوۃ: ۴: ۱۴۱: دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۶ھ